باب پنجم

موجودہ مسلمان معاشرے کا اسلام کے ساتھ عملی تعلق

گزشتہ مباحث سے یہ حقیقت بالکل دو اور دو چار کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ:

۱) پاکستان کی اصل اساس صرف اور صرف اسلام ہے۔

۲) اِس کا دوام و اِستحکام صرف ایک ایسے جاندار مذہبی جذبے کے ذریعہ ممکن ہے، جو عوامی سطح پر اسلام کے ساتھ حقیقی و عملی تعلق کی بنیاد پر اُبھرے اور ایک انقلابی تحریک کی صورت اختیار کر لے۔ تو آیئے ذرا اِس امر کا جائزہ لیں کہ مجموعی اعتبار سے ہمارے موجودہ معاشرے کے اسلام کے ساتھ حقیقی لگاؤ اور عملی تعلق کا کیا حال ہے؟ اور ہمارے قومی اور ملی وجود کی اِس واحد اساس کے ساتھ ہمارا بالفعل تعلق کس درجہ کا ہے؟

ایک ضروری وضاحت

اِس مرحلہ پر ایک اہم وضاحت بہت ضروری ہے ——— ہمارے سابقہ مباحث سے بھی کچھ لوگوں نے لازماً مایوسی اور بد دِلی کا تاثر قبول کیا ہوگا اور اس کا اندیشہ ہے کہ پیشِ نظر جائزے اور تجزیے سے اِس کیفیت میں مزید شدت پیدا ہو جائے، لہٰذا مناسب ہے کہ یہاں یہ ذکر کر دیا جائے کہ جس تصویر کا تاریک رُخ مسلسل سامنے آ رہا ہے اُس کا ایک نہایت روشن اور تابناک رُخ بھی ہے جو اِن شاء اللہ ذرا اور آگے چل کر سامنے آئے گا ——— سر دست جس ترتیب سے بحث آگے بڑھ رہی ہے اُس کا تقاضا ہے کہ ہم ناخوشگوار حقائق کو اُن کی واقعی صورت میں دیکھنے کی ہمت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے مشاہدے اور جائزے و تجزیے کو امکانی حد تک زیادہ سے زیادہ معروضی (Objective) رکھیں، تاکہ ہمارے سامنے مسئلہ کی نزاکت اور صورتِ حال کی سنگینی پوری طرح واضح ہو اور ہم اُس کے تدارک کے ضمن میں سطحی انداز اختیار کریں نہ محض دفع الوقتی کی تدابیر میں الجھ کر رہ جائیں، بلکہ پوری سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کی جملہ صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اور فیصلہ کن انداز میں بھرپور اقدامات کا فیصلہ کر سکیں۔

پندرہ سال قبل اور آج

اتفاق کی بات ہے کہ راقم اپنے پیشِ نظر سلسلۂ مضامین کے ضمن میں جب اُس مقام پر پہنچا تو اچانک ذہن منتقل ہوا کہ اِسی موضوع پر راقم نے آج سے لگ بھگ پندرہ سال قبل پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کی لاہور برانچ کی ایک تقریب میں تقریر کے دَوران اپنا جائزہ اور تجزیہ ایک تمثیل کے پیرائے میں پیش کیا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد آیا کہ تقریر کا وہ حصہ ماہنامہ ''میثاق'' لاہور میں شائع بھی ہوگیا تھا۔ اس موقعے پر اُس پر نظر ڈالنے سے ایک تو یہ احساس ہوا کہ اِس تمثیل کے ذریعے ہمارے معاشرے کی اسلام کے ساتھ عملی تعلق کی نہایت صحیح تصویر پوری وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔ اور دوسرے یہ حیرتناک اور افسوسناک انکشاف بھی ہوا کہ اِس کے باوجود کہ ہمارے معاشرہ میں متعدد دینی جماعتیں اور تحریکیں اپنے اپنے انداز میں کام کر رہی ہیں اور ہماری آبادی کے طبقہ متوسط (Middle Class) کا خاصا قابل لحاظ حصہ ان کے زیر اثر آیا ہے تاہم پندرہ سال سے زیادہ عرصہ گذر جانے کے باوجود بحیثیت مجموعی ہمارے موجودہ مسلمان معاشرے کے اسلام کے ساتھ عملی تعلق میں نہ نوعیت و کیفیت کے اعتبار سے (Qualitatively) کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے، نہ ہی تناسب اور کمیت

کے اعتبار سے (Quantitatively) کوئی فرق پیدا ہوا ہے۔ اس لیے کہ جہاں ہماری قوم کے درمیانی طبقے میں مختلف ذہنی و مذہبی تحریکوں کے زیرِ اثر دین و مذہب کے ساتھ عملی لگاؤ کے تناسب میں کسی قدر اضافہ ہوا ہے، وہاں عوام کے طبقۂ زیریں (Lower Class) میں اُس کیفیت کے بالکل برعکس جو علامہ اقبال نے اب سے پون صدی قبل اِس شعر میں بیان کی تھی کہ

آ کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب
پردہ رکھتے ہیں اگر کوئی تمہارا تو غریب

نہ صرف یہ کہ دین و مذہب کے ساتھ عملی لگاؤ میں نمایاں کمی واقع ہوئی ہے، بلکہ لادینی طرزِ فکر (Secular Thinking) اور مادہ پرستانہ اقدار (Materialistic Values) کا تناسب بہت بڑھ گیا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ملحدانہ افکار و نظریات اور اُس مادہ پرستانہ طرزِ عمل کے اثرات جو پہلے صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقات (Educated Elite) تک محدود تھے، گزشتہ پندرہ سالوں میں اولاً ٹرانسسٹر اور بعد ازاں ٹیلی ویژن ایسے مؤثر اور طاقتور ذرائع ابلاغ (Media) کے ذریعے ہمارے معاشرہ کی سب سے تحتانی سطح یعنی (Grass Root Level) تک پہنچ گئے ہیں، جن سے نہ صرف یہ کہ طبقۂ متوسط میں دین و مذہب کا اثر و نفوذ غیر مؤثر (Neutralise) ہو گیا ہے، بلکہ نسبت و تناسب کے پلڑے کا جھکاؤ مزید فیصلہ کن انداز میں لادینیت کی جانب ہو گیا ہے۔ واللہ اعلم!

چار ہم مرکز دائرے

بہرحال، راقم کے مشاہدے کے مطابق دین و مذہب کے ساتھ حقیقی اور واقعی لگاؤ اور عملی تعلق کے اعتبار سے پاکستان کا موجودہ مسلمان معاشرہ چار ایسے ہم مرکز دائروں (Concentric Circles) پر مشتمل ہے جو ایک دوسرے سے نمایاں طور پر متمائز (Distinct) ہیں۔ چنانچہ ایک نہایت چھوٹا سا دائرہ مرکز سے بالکل متصل ہے، جس میں میرے اندازے کے مطابق ہماری کل آبادی کا بمشکل ایک فی صد بلکہ اِس سے بھی بہت کم شامل ہے ——— اِس کے باہر ایک ذرا بڑا دائرہ ہے جس میں کل آبادی کے دو یا زیادہ سے زیادہ تین فی صد لوگ شمار کیے جا سکتے ہیں ——— پھر ایک اور بڑا دائرہ ہے جس میں لگ بھگ پانچ چھ فی صد لوگ شامل ہوں گے ——— اور پھر ایک بہت بڑا دائرہ ہے جو بقیہ نوے بانوے فی صد آبادی پر مشتمل ہے۔

ہماری ایک عظیم اکثریت کا دین و مذہب کے ساتھ کوئی عملی تعلق نہیں ہے

ان میں سب سے بڑا دائرہ جس کی خارجی حدود پورے معاشرے کو محیط ہیں، اُن لوگوں پر مشتمل ہے جن کا دین و مذہب کے ساتھ سرے سے کوئی عملی تعلق باقی نہیں رہا۔ ماسوائے اُن چند ناگزیر تمدنی اور سماجی امور کے جن میں دین و مذہب کے خلاف کسی روش کا اختیار کرنا مذہب سے علی الاعلان قطع تعلق کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ یعنی شادی بیاہ کا معاملہ، میّت کی تکفین و تدفین سے متعلق رسومات اور کچھ مذہبی تہوار وغیرہ۔

اِس سلسلے میں، میں جب زور دے کر کہتا ہوں کہ ہماری عظیم اکثریت کا مذہب کے ساتھ سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے تو اُس سے میرے احساس کی شدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اور میں ہر شخص کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ دین و مذہب کے ساتھ عملی تعلق کا چاہے کوئی معیار (Criterion) متعین کر لے، جب وہ اس پر اپنے موجودہ معاشرے کو پرکھے گا تو اُس کے سامنے بعینہٖ وہی نتیجہ آئے گا جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری اکثریت کا اِس کے سوا کہ جب ان کے یہاں شادی ہوتی ہے تو پھیرے نہیں پھرتے بلکہ کوئی مولوی صاحب نکاح ہی کی رسم ادا کرتے ہیں ——— یا کوئی مر جاتا ہے تو اُسے جلایا نہیں

جاتا بہرحال نمازِ جنازہ ہی ادا کی جاتی ہے اور تکفین و تدفین ہی کا معاملہ ہوتا ہے ــــــ یا یہ کہ ہولی یا دیوالی یا کرسمس نہیں منائے جاتے، عید و بقرعید ہی کے تہوار منائے جاتے ہیں، دین و مذہب کے ساتھ کوئی اور عملی تعلق موجود نہیں ہے ــــــ اسلام کے اوامر و نواہی کی مفصل فہرست اور حلال و حرام کا تفصیلی خاکہ تو دُور کی بات ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ پنجگانہ کو کفر اور اسلام کے مابین حد فاصل قرار دیا ہے، خواہ اِس معیار کو سامنے رکھ لیا جائے یا اس سے بھی آگے بڑھ کر بلا عذر شرعی مسلسل تین جمعوں کی غیر حاضری پر تو صاف وعید سنا دی گئی ہے کہ اللہ کو ایسے شخص کے بارے میں کوئی پرواہ نہیں ہے کہ وہ نصرانی ہو کر مرے یا یہودی ہو کر، تو خواہ اِس پیمانے سے ناپ لیا جائے۔ بہرحال آپ جس پیمانے سے بھی ناپیں گے نتیجہ ایک ہی نکلے گا اور وہ یہ کہ ہماری قوم کی ایک عظیم اکثریت کا دین و مذہب سے کوئی واقعی اور عملی تعلق موجود نہیں ہے۔

پھر ایسا نہیں ہے کہ یہ صورت حال معاشرے کے کسی خاص طبقہ کی ہو ــــــ ایک عام مغالطہ پیدا ہو گیا ہے یا پیدا کر دیا گیا ہے کہ یہ معاملہ صرف اُمراء یا اعلیٰ طبقہ کا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حال ہماری پوری سوسائٹی کا بحیثیت مجموعی ہے۔ چنانچہ اُمراء کی اکثریت بھی اِسی حال میں ہے اور غرباء کی بھی، کارخانہ داروں کی اکثریت کا حال بھی یہی ہے اور مزدوروں کا بھی، زمینداروں کی اکثریت بھی دین سے اتنی ہی دور ہے اور کاشتکاروں کی بھی، گلبرگ اور کلفٹن کے باسی بھی اکثر و بیشتر اسی حال میں ہیں اور جھونپڑیوں کے مکین بھی ــــــ الغرض ہماری پوری سوسائٹی کا چاہے جس زاویہ سے (Crosssection) لے لیا جائے، صورتِ معاملہ واحد ہے۔ صرف اس ایک فرق کے ساتھ کہ اُمراء اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقات کے ایک معتدبہ اور غالب حصے میں اِس عملی روش کی پشت پر ایک فکری الحاد اور ذہنی ارتداد بھی موجود ہے، جب کہ عوام الناس کے اذہان میں کوئی واضح چیز موجود نہیں۔ وہ صرف ایک رَو میں بہے چلے جا رہے ہیں جو اکثر و بیشتر انہی اعلیٰ طبقات کے زیر اثر چل رہی ہے ــــــ الغرض یہ ہے ہماری قوم کی غالب اکثریت کا حال!

مذہب کے متوسلین کی اکثریت کا تصورِ دین محدود بھی ہے اور مسخ شدہ بھی

اِس بڑے دائرے کے اندر ایک نسبتاً چھوٹا دائرہ ہے جو ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو دین و مذہب سے عملی دلچسپی رکھتے ہیں ــــــ چنانچہ انہی کے دم سے مساجد تعمیر ہوتی ہیں اور آباد رہتی ہیں، مدارس و مکاتب اور دارالعلوم قائم ہوتے ہیں اور جاری رہتے ہیں۔ جمعہ و جماعت کا نظام قائم ہے، ماہِ صیام کی رونق اور گہما گہمی ہے، حج اور عمرہ کے لیے آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے ــــــ الغرض مذہب کا پورا ڈھانچہ قائم ہے۔

لیکن ذرا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اِس طبقے کی ایک عظیم اکثریت کا تصورِ دین نہ صرف یہ کہ نہایت محدود (Limted) ہے، بلکہ اکثر و بیشتر حالتوں میں سخت مسخ شدہ (Perverted) بھی ہے۔ چنانچہ اُن کے نزدیک مذہب صرف بعض علامات (Symbols) اور رُسومات (Rituals) کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے، اور اُس کا کوئی تعلق نہ انسان کی انفرادی سیرت و کردار سے رَہ گیا ہے نہ قومی و ملی اُمور اور اجتماعی معاملات سے۔ نتیجتاً وہ دین جو اپنی اصل فطرت کے اعتبار سے پوری انسانی زندگی پر حکمرانی چاہتا ہے، اُن کے یہاں زندگی کے بہت ہی چھوٹے سے گوشے میں محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اس کے وسیع تر تقاضوں کا انہیں سرے سے کوئی احساس ہی نہیں رہا۔

یہی وجہ ہے کہ اِس حلقے کی ایک غالب اکثریت کا حال یہ ہے کہ دینداری کے جملہ مظاہر یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج حتیٰ کہ پوری شرعی وضع قطع کے ساتھ ساتھ بلیک مارکیٹنگ بھی چلتی ہے اور ذخیرہ اندوزی بھی، اسمگلنگ بھی جاری رہتی ہے اور کرنسی کا غیر قانونی لین دین بھی ــــــ اشیاء خورد و نوش ہی نہیں ادویات تک ان میں سے بعض کے ہاتھوں ملاوٹ ایسی حد درجہ مکروہ حرکت سے محفوظ نہیں رہتیں۔ انکم ٹیکس، کسٹم اور ایکسائز ڈیوٹی وغیرہ سرکاری محصولات کی

چوری کو مباح کا مقام دینے میں انہیں ذرا باک نہیں۔ رشوت دی بھی جاتی ہے اور لی بھی ـــــ سودی رقوم سے کاروبار کو وسیع تر کرنا اور مکان تعمیر کرنا تو شیر مادر ہے ہی، جہاں موقع ملے سٹے وغیرہ سے بھی اجتناب نہیں۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ الا ماشاءاللہ اِس حلقے کی اکثریت ذاتی اخلاق اور بین الانسانی معاملات کے دائرے میں بالعموم بہت پستی کردار کا مظاہرہ کرتی ہے۔ خشونت، درشتی اور سنگ دلی بالعموم ان کی طبیعت ثانیہ بن گئے ہیں اور ہمدردی اور دل کی نرمی سے اِنہیں دُور کا بھی واسطہ نہیں، الا ماشاءاللہ۔ اِن تمام باتوں کا مجموعی نتیجہ یہ ہے کہ ہماری نوجوان نسل ان لوگوں سے متنفر ہو کر سرے سے دین و مذہب ہی سے بدظن ہوتی چلی جا رہی ہے۔

تصور مذہب کی اِسی محدودیت کا ایک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مذہب کے نام پر نت نئی رسومات ایجاد ہو رہی ہیں اور بدعات و رسومات کا بازار ہے کہ گرم سے گرم تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور اسلام جو انتہائی سادہ دین فطرت ہے، روز بروز اوہام کے پلندے اور بدعات و رسومات کے طومار کی شکل اختیار کرتا چلا جا رہا ہے ـــــ اس کی وجہ بالکل واضح ہے، یعنی یہ کہ وہ دینی و مذہبی جذبہ جسے انسان کی پوری زندگی میں سرایت کر جانا چاہئے تھا، جب سمٹ کر صرف ایک گوشے میں مقید ہو گیا اور اُسے اپنی تسکین صرف اِسی چھوٹے سے گوشہ ہی سے حاصل کرنی پڑی تو اس نے زور لگا کر اسی گوشہ میں غیر متناسب طور پر (Out of Proportion) بڑھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ مثال کے طور پر ایک طرف میت کی رسومات کا سلسلہ ہے کہ ربڑ کی طرح کھنچتا چلا جا رہا ہے اور دوسری طرف تہواروں کا معاملہ ہے کہ ان کی فہرست بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔

مختصر یہ کہ دین و مذہب سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کی ایک غالب اکثریت کا تصور مذہب نہایت محدود بھی ہے اور مسخ شدہ بھی۔

وسیع تر تصور کے حامل لوگوں کی اکثریت کچھ کرنے کو تیار نہیں!!

اس دوسرے دائرے کے اندر ایک تیسرا چھوٹا دائرہ ہے جو اُن لوگوں پر مشتمل ہے جن کا تصور دین و مذہب خاصا وسیع ہے اور وہ جانتے ہیں کہ اسلام صرف چند عقائد اور رسومات کا مجموعہ نہیں بلکہ اس کی بنیاد کائنات، انسان اور حیات انسانی کے بارے میں ایک خاص نقطۂ نظر پر قائم ہے اور وہ انسان کی پوری زندگی کو اپنے احاطہ میں لینا چاہتا ہے اور حیاتِ انسانی کے تمام گوشوں پر تسلط اور حکمرانی کا طالب ہے۔ برصغیر میں یہ فکر ماضیٔ قریب میں اولاً علامہ اقبال مرحوم کے اشعار سے پروان چڑھا اور ان کے بعد مولانا مودودی مرحوم اور بعض دوسرے اصحابِ علم کی تحریروں نے اِسے مزید واضح بھی کیا اور زیادہ بڑے حلقہ میں عام بھی کیا۔ چنانچہ اب یہ ایک واقعہ ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کی موجودہ نسل کا ایک خاصا قابل ذکر حصہ اِس فکر سے متاثر ہے اور اُس کے دل میں اِحیائے اِسلام کی آرزو اور اقامت دین کی تمنا بھی موجود ہے ـــــ اور اسلام کی عظمت گذشتہ اور مسلمانوں کی سطوتِ پارینہ کی بازیافت کی خواہش بھی ـــــ لیکن یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اِس طبقۂ کی ایک بڑی اکثریت محض حسین تمناؤں اور خوشنما آرزؤں کے سہارے جی رہی ہے، خود کچھ کرنے کو تیار نہیں۔ اِن کی خواہش غالبًا یہ ہے کہ یہ سارے کام کوئی اور کر دے اور وہ خود اپنی اپنی دلچسپیوں اور پیشہ ورانہ مصروفیتوں میں مگن رہیں، خود اُنہیں نہ کوئی ایثار کرنا پڑے، نہ قربانی دینی پڑے، نہ کوئی تکلیف برداشت کرنی ہو اور نہ کسی محنت و مشقت کا سامنا ہو۔ وہ بہت زور لگائیں گے تو کسی جماعت کے لیے تائید و تحسین کے چند جملے زبان سے ادا کر دیں گے، یا اُسے کوئی مالی امداد بہم پہنچا دیں گے اور وہ بھی اپنی آمدنیوں کے اعتبار سے آٹے میں نمک کے برابر۔ اللہ اللہ خیر سلا ـــــ اِس سے آگے بڑھ کر نہ اُن کی زندگیوں کا رُخ تبدیل ہوگا، نہ دلچسپیوں میں کمی آئے گی اور نہ ہی شب و روز کے مشاغل میں کوئی فرق واقع ہوگا۔

الغرض ـــــ یہ ہے میرے تجزیہ کے مطابق ہماری موجودہ سوسائٹی کا دائرہ ثالث، جو دین و مذہب کے لیے زبانی جمع خرچ (Lip Service) میں تو بہت آگے ہیں لیکن اِس کے لیے کسی عملی جدوجہد میں شرکت کے لیے قطعاً آمادہ نہیں۔ حالانکہ میرے نزدیک اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا کٹھن مرحلہ اگر سر ہو سکتا

ہے تو اِسی حلقہ کی محنت ومشقت اور ایثار وقربانی سے ـــــ اور اگر اِس طبقہ کو آمادۂ عمل (Activate) نہ کیا جاسکا تو میرے نزدیک اِس منزل کی طرف قدم اُٹھنا بہت مشکل ہے، اس لیے کہ اگرچہ یہ دائرہ پہلے دونوں دائروں سے تو بہت چھوٹا ہے لیکن ہے نہایت اہم۔

فعال دینی جماعتیں اور جمعیتیں

اِن تینوں دائروں کے اندر ایک نہایت چھوٹا سا دائرہ ہے جسے ہم مذہب کے لیے سرگرم کار (Religious Activists) لوگوں کا حلقہ کہہ سکتے ہیں، جس میں ہماری کل آبادی کی بمشکل کی ایک فی صد بلکہ اُس سے بھی بہت کم تعداد شامل ہے۔ یہ حلقہ بہت سی خالص مذہبی یا نیم مذہبی اور نیم سیاسی جماعت پر مشتمل ہے، جن کی جڑیں دوسرے اور تیسرے دائروں میں دُور دور تک پھیلی ہوئی ہیں، جن سے انہیں اخلاقی تائید اور مالی تعاون کی صورت میں غذائیت حاصل ہوتی رہتی ہے ـــــ اِن میں سے دو تو ''جماعتیں'' ہیں اور کم وبیش نصف درجن ''جمعیتیں'' ـــــ جماعتوں میں ایک تبلیغی جماعت ہے جو خالص مذہبی اور بالکل غیر سیاسی خطوط پر کام کر رہی ہے اور دوسری جماعت اسلامی ہے جو اس کے برعکس سیاست کے میدان میں بہت آگے نکل گئی ہے، اور اس خارزار میں کچھ زیادہ ہی اُلجھ کر رہ گئی ہے۔ اِس بعد المشرقین کے ساتھ ساتھ ان میں دو باتیں مشترک بھی ہیں۔ ایک یہ کہ اِن دونوں کی تاریخ تقریباً نصف صدی پر پھیلی ہوئی ہے، اور دوسرے یہ کہ ان دونوں کو اصل تائید وتقویت دائرہ ثالث سے مل رہی ہے اور ان کی جڑیں زیادہ تر اِسی حلقہ میں قائم ہیں ـــــ ان کے بالمقابل اہلحدیث، دیوبندی اور بریلوی علماء پر مشتمل ''جمعیتیں'' ہیں، جن کی مزید تقسیم اور تسمیہ کا سلسلہ کچھ ایسا پیچ در پیچ ہے کہ عام آدمی کی سمجھ میں آنے والا نہیں، بہرحال ان میں بھی دو اُمور مشترک ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں سے تقریباً ہر ایک اپنی پشت پر لگ بھگ پوری صدی کی تاریخ رکھتی ہے اور دوسرے یہ کہ ان کی اصل جڑیں دائرہ دوم میں قائم ہیں اور وہیں سے ان کے تغذیہ وتقویت کا سامان فراہم ہوتا ہے۔

مذہب کی نام لیوا، بلکہ علمبردار جماعتوں اور جمعیتوں کے بارے میں سب سے زیادہ نمایاں المیہ ان کا باہمی اختلاف بلکہ مخالفت ہے، جو حد درجہ مکروہ الزام تراشی بلکہ دُشنام طرازی کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اور اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے میں اب ان سب کے مجموعی اثرات بھی کچھ بہت زیادہ نہیں ہیں، تاہم جس مایوس کن شکست کا سامنا مذہب کے نام لیواؤں کو ملک کے عام انتخابات میں کرنا پڑتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اِس میں بہت حد تک دخل اِس باہمی تفرقہ بازی اور سر پھٹول کو حاصل ہے۔ چنانچہ ہمارے معاشرے کے اُن طبقات کو جو دین ومذہب کے مستقبل سے کسی قدر دلچسپی رکھتے ہیں، اِس صورت حال سے فی الواقع بہت صدمہ پہنچتا ہے، جس کی ٹیسیں اکثر لوگوں کو شدت کے ساتھ محسوس ہوتی رہتی ہیں۔ اور ہمارے یہاں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جن کے دلوں میں یہ حسرت بھری تمنا موجود ہے کہ کسی طرح مختلف فرقوں اور گروہوں کے علماء وزُعماء اور مختلف مذہبی جماعتیں متحد ہو کر کسی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں یا کم از کم یہ جماعتیں اور جمعیتیں اپنے اپنے طریقہ ہائے کار میں اعتدال کی روش اختیار کر لیں۔ چنانچہ اِس ذیل میں بہت سے لوگ انہیں مخلصانہ مشوروں سے نوازتے بھی رہتے ہیں۔

میری حقیر رائے میں ان نیک تمناؤں کا برآنا آسان نہیں ہے۔ اس لیے کہ نہ یہ جماعتیں اور جمعیتیں کوئی آج قائم ہوئی ہیں اور نہ ہی ان کے طریقہ ہائے کار اتنے ''حادث'' ہیں، بلکہ جیسا کہ اِس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ اُن کی پشت پر پوری پوری صدی یا کم از کم نصف صدی کی تاریخ ہے اور اس طویل عرصہ کے دوران میں ان کے مخصوص نقطہ ہائے نظر، طریق ہائے کار اور مزاج واُفتادِ طبع پختہ ہوتے چلے گئے ہیں ـــــ اور اب اِن میں کسر وانکسار اور ترمیم وتغیر ناممکن نہ سہی نہایت مشکل ضرور ہے، تاہم ملک وملت کے خیر خواہوں کو اس کے ضمن میں پوری ہمت وعزیمت کو بروئے کار لانا چاہئے۔ اِس لیے کہ کسی بھی موثر اور نتیجہ خیز تعمیری کوشش کے آغاز کے لیے اِس کٹھن منزل کا سر کرنا ناگزیر ہے۔

حاصلِ کلام: عقدۂ لاینحل؟

اب تک کی کلی بحث کے نتیجے میں ہم بظاہر ایک نہایت شدید قسم کی منطقی پیچیدگی یا عقدۂ لاینحل (Dilemma) سے دوچار ہو گئے ہیں۔ یعنی ہمارے تجزیہ کے مطابق ایک جانب پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس کی واحد اساس اسلام ہے، اور اس کے بقاء و استحکام کا واحد ذریعہ صرف ایک ایسا زور دار اور متحرک مذہبی جذبہ بن سکتا ہے، جس کی جڑیں عوامی سطح پر اسلام کے ساتھ واقعی اور عملی تعلق میں گہری اُتری ہوئی ہوں۔ اور دوسری جانب بحیثیت مجموعی پاکستان کے موجودہ مسلم معاشرے کا دین و مذہب کے ساتھ حقیقی و عملی تعلق نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس پر فطری طور پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ ؏

''چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما!''

لیکن اس سے قبل کہ ہم اُس عملی تدبیر پر غور کریں، ہمارے قومی و ملی وجود کی تصویر کا دوسرا رُخ جو نہایت روشن اور تابناک ہے، سامنے آ جانا چاہئے۔ لہٰذا آئندہ اسی موضوع پر گفتگو ہو گی۔